رشید احمد صدیقی کے غیر مطبوعہ مکاتیب: تحقیق وتدوین

ڈاکٹر محمد سعید، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر سیدہ مصباح رضوی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

Abstract

In this article, Rasheed Ahmed Sidiquie's letters to Muhammad Tufail has been discussed. These letters are unpublished. Rasheed Ahmad Saidiqui is a prominant prose writer and Muhammad Tufail has known as sketch writer and specially Editor Naqoosh.

رشید احمد صدیقی اردو نثر کا معتبر حوالہ ہیں۔ وہ اپنی زندگی میں خاصے مقبول اور معروف رہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ناقدین سے گریز پا رہنے کے باوجود انہیں اپنے عہد اور اس کے بعد کی تنقید میں سراہے جانے کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ رائے مسلم تر ہوگی ہے کہ رشید احمد صدیقی ایک روایت اور ایک عہد کا نام ہے۔ انہوں نے زندگی بھر ادبی، اخلاقی اور عالمانہ اقدار کو ملحوظ خاطر رکھا۔ ان کی شخصیت اور قلم کا جادو ان کے زمانے میں بھی سر چڑھ کر بولتا تھا اور آج بھی صورتحال بدلی نہیں۔

مسعود حسین خاں لکھتے ہیں:

> ''علی گڑھ نے رشید صاحب کی ایک زمانہ میں پرستش کی ہے، اساتذہ ان کے معتقد، طلبا ان کے پرستار، اہل دفتر اور اہل کار، ان کے فقروں پر جان دینے والے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اپنی طالب علمی کے زمانے میں ان کے فقرے اور جملے اہل علی گڑھ کا سرمایہ انبساط تھے'' (۱)

رشید احمد صدیقی کم آمیز اور خواص پسند طبیعت کے مالک تھے۔ اسی وجہ سے اپنے ناقدین سے ہمیشہ خود کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ بالخصوص ان اسکالرز سے جو ان کے خطوط کو شائع کرنے کے خواہش مند تھے۔ رشید احمد صدیقی خطوط کو بالکل ذاتی شے سمجھتے تھے۔ اُن میں تحریر شدہ گفتگو کا منظر عام پر آنا ان کے نزدیک قبیح فعل تھا۔ وہ دوسروں کے ان خطوط کو جن میں خاص نجی مسائل کا ذکر ہوتا یا تو تلف کر دیتے یا جوابی خط کے ساتھ واپس لوٹا دیتے تاکہ راز داری قائم رہے۔ جب انہیں علم ہوا کہ ان کے خطوط کو شائع کرنے کا منصوبہ تیار ہو رہا ہے تو انہوں نے اس کام کی سخت لفظوں میں حوصلہ شکنی کی۔ اپنے عزیزوں کو کہا کہ ان کے لکھے خطوط کسی طور بھی شائع ہونے کے لیے فراہم

نہ کیے جائیں بلکہ ان کو تلف کر دیا جائے۔ رشید احمد صدیقی، مجروح سلطان پوری کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''پرائیویٹ خطوط کو حاصل کرنے اور ان کی اشاعت کو جو مہم شروع کی گئی ہے اسے میں اچھا نہیں سمجھتا۔ ان لوگوں کو بھی جو ایسا کرتے ہیں۔ جن اشخاص کو کبھی اچھے اور برے کام کرنے کی توفیق نہیں ہوتی یا اس کے اہل نہیں ہوتے وہ اس طرح کی دوسری اور تیسری سرگرمیوں میں جا پڑتے ہیں۔ مقصود بالعموم یہ ہوتا ہے کہ کسی ممتاز اور شریف آدمی کا کوئی سکینڈل دریافت ہو جائے تو نفس کو تسکین نصیب ہو۔'' (۲)

رشید احمد صدیقی کے تحفظات اپنی جگہ درست، مگر خطوط کی اشاعت سے ثابت ہوا کہ وہ کسی ''سکینڈل'' کا شکار نہ ہوئے۔ ان کے خطوط موضوعات کے حوالے سے خواہ کیسے ہی نجی اور پرائیویٹ کیوں نہ ہوں وہ کہیں بھی اعتدال و توازن کا ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ وہی باتیں جن کے بارے میں انہیں سکینڈل بن جانے کا خطرہ تھا، قاری اور ان کے درمیاں دوستی، اپنائیت اور قربت کا ذریعہ بنے۔ بچیوں کے رشتے، روپے پیسے کی تنگی، گھریلو حالات، دوستوں عزیزوں کے ناروا رویے، گلے، شکوے، شکایتیں، ناقدری کے نوحے، تاسف یا رنج وغیرہ کی سبھی کیفیات و معاملات کو جس سلیقے اور طریقے سے رشید احمد صدیقی بیان کرتے تھے۔ وہ انہی کا خاصا ہے۔ قاری اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ رشید احمد صدیقی کے باغ و بہار اسلوب اور بے تکلفانہ انداز نے خطوط نگاری کی روایت میں انہیں غالب کے ہم قدم کر دیا ہے۔ رشید احمد صدیقی نے مختلف اور متنوع شخصیات کو خطوط لکھے جن میں سے بیشتر خطوط شائع کیے جا چکے ہیں لیکن غیر مطبوعہ خطوط کی اشاعت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ محمد طفیل (ایڈیٹر نقوش) کے نام رشید احمد صدیقی کے یہ خطوط غیر مطبوعہ سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ محمد طفیل کے صاحبزادے جاوید طفیل نے ''نقوش'' کا تمام ذخیرہ ۲۰۰۵ء میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کو عطیہ کرنے کا اعلان کیا، ان کے اس ذخیرے کی وصولی کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ دستیاب ذخیرے کا ایک حصہ غیر مطبوعہ خطوط پر مشتمل ہے۔ محمد طفیل چونکہ ایڈیٹر تھے اس لیے مختلف ادیبوں اور شاعروں نے ان سے خطوط کے ذریعے رابطہ رکھا۔ رشید احمد صدیقی ان میں سے ایک ہیں۔ چند ایک کے سوا رشید احمد صدیقی نے تمام خطوط کارڈ پر لکھے۔ ان خطوط میں طویل اور مختصر دونوں طرح کی تحریریں موجود ہیں۔ اکثر خطوں پر حاشیوں اور پس نوشت کے اضافے ہیں۔ خطوں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باہمی تعلقات کا دار و مدار دوستی پر ہے۔ جس کا لحاظ دونوں طرف سے رکھا گیا۔

مضمون کے لیے غیر مطبوعہ خطوط کے اس ذخیرے میں سے پندرہ خطوط منتخب کیے گئے ہیں۔ انتخاب کے وقت اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ رشید احمد صدیقی اور محمد طفیل صاحب کے باہمی تعلقات کا اندازہ ہو سکے۔ مزید یہ کہ خود رشید احمد صدیقی کی شخصیت اور ان کے فکری زاویہ نگاہ بھی ان خطوط میں زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ خطوط کی تدوین صبر آزما مرحلہ ہے۔ کئی کئی بار خطوں کو پڑھا گیا۔ مدھم، پنچ مشین سے کٹ جانے والے اور متہ رکے نیچے آ جانے والے الفاظ کا درست ادراک کرنے کے لیے بہت عرق ریزی کرنا پڑی۔ لیکن رشید احمد صدیقی کے اسلوب

ومعنی کی تاثیر ہے کہ خط کے بار بار کے مطالعہ سے بھی ان شگفتگی میں ذرہ برابر بھی کمی نہ آئی۔ خطوط کے متن میں ملا کر لکھے گئے ہوئے الفاظ کو الگ الگ کر کے لکھا گیا ہے۔ کچھ لفظوں پر واوین کی ضرورت تھی وہاں متن میں واوین کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ خطوں کے متن کو وضاحت سے سمجھنے کے لیے حواشی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ذیل میں رشید احمد صدیقی کے پندرہ خطوط ذوق مطالعہ کے لیے پیش خدمت ہیں:

۷/فروری ۱۵ء　یونیورسٹی علی گڑھ

محترمی، تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۲۰ جنوری۔ آپ کی شکایت بجا ہے۔ میں نے آپ کے متعدد خطوط میں سے کسی ایک کا جواب نہ دیا۔ بقول آپ کے آپ نے اسے میری بڑائی پر محمول کیا۔ پھر آپ نے سوچا کہ بڑے آدمی خواہ بڑے آدمی ہوں یا نہ ہوں جواب ضرور دیتے ہیں میں کیوں نہیں دیتا وغیرہ۔ مراسلات کا جواب دینا نہ دینا نسل پر مبنی نہیں ہے۔ ۳ عادت پر مبنی ہے۔ بہر حال یہ ایک ''جواب دہی'' ہے ''جواز'' نہیں۔ آپ معاف کریں۔ ''نقوش'' بھیج کر آپ مجھ پر احسان کرتے ہیں اور میری توقیر بڑھاتے ہیں۔

آپ یقین مانیں اردو رسائل کے ایڈیٹروں کے اس احسان نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ کئی بار کتنوں کو (جن میں ایڈیٹر ۴ بھی خاصی تعداد میں شامل تھے) زدوکوب کرنے کا خیال آیا لیکن آپ اڈیٹروں کی اس بات نے کہ آپ مجھ سے کتنے ہی مایوس ۵ یا مشتعل کیوں نہ ہوں رسالہ ضرور بھیج دیتے ہیں۔ مجھے اس طرح کی عبادت سے باز رکھا۔

ناکردہ گناہوں کی ایک قسم یہ بھی ہے۔ میری یہ بات ذرا کان دھر کے سن لیجئے۔ کوئی شاعر یا لکھنے والا ایسا نہیں جو یہ نہ چاہتا ہو کہ اس کی لکھی ہوئی چیزیں مسلسل شائع ہوتی رہیں۔ میں خود یہ چاہتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ لکھوں اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو۔ لیکن لکھ نہیں پاتا۔ کتنی اور نامعقول حرکتیں ہیں جن کو کرنا چاہتا ہوں لیکن کر نہیں پاتا۔ اسے میری بڑائی یا بد دماغی پر محمول نہ کیجئے۔ اس میں کچھ ''شائبہ خوبی تقدیر'' ۶ بھی ہے۔ نقوش بڑا اچھا رسالہ ہے اسے دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔ اس کی سلامتی اور کامیابی کا خواہشمند ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ ہر مضمون پر اپنے خیالات کا اظہار کروں لیکن پھر سوچتا ہوں کہ اس سے تو یہ آسان ہے کہ کوئی مضمون ہی لکھ دوں بہر حال ''پھر وہی زندگی ہماری ہے'' ۷۔ اس وقت تو آپ غصے سے باز آجایئے، پھر کبھی نپٹ لیں گے۔

خیر طلب

رشید صدیقی

۲۲/اکتوبر ۵۲ء　یونیورسٹی علی گڑھ

طفیل صاحب محترم! آداب نیاز،

گرامی نامہ صادر ہوا۔ نقوش مجھے برابر ملتا رہا ہے۔ افسانہ نمبر بھی حال ہی میں ہر موصول ہوا۔ میں نے یقیناً وعدہ کیا تھا کہ کبھی کوئی چیز ہوگئی تو حاضر کر دوں گا۔ لیکن ایسا ہو نہ سکا۔ جس کے لیے شرمندہ ہوں اس طرح کی شرمندگی کا اظہار ہر لکھنے والا کرتا رہتا ہے۔ لیکن کیا کروں عذر صحیح ہو یا غلط کیا اسی طرح جاتا ہے! آپ نے میرے جن مضامین کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ بعض رسائل میں شائع ہوئے ان کا قصہ یہ ہے کہ وہ سب کی سب ریڈیو کی تقریریں ۸؎ ہیں بعض تو ایسی ہیں جو ایک سے زیادہ جگہ چھپ چکی ہیں۔ آپ انہیں لے کر کیا کرتے! نقوش کا ہر پرچہ بڑا دیدہ زیب اور اتنا ہی قابل قدر ہوتا ہے۔ یہ میری ہی رائے نہیں ہے۔ مجھ سے بہتر لوگ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ افسانہ نمبر ۹؎ میں شوکت تھانوی صاحب ۱۰؎ کا مضمون خوب ہے۔ اگر ذرا اور محنت سے لکھتے تو نادر چیز ہوتی۔ میں انکی فطانت و ذہانت کا قائل ہوں۔ کاش وہ تھوڑی سی ریافت کے بھی قائل ہو جائیں! اس سلسلہ کو وہ قائم رکھیں اور نباہ دیں۔ تو ان کا بڑا کارنامہ ہوگا۔ لیکن میری طرف سے اتنا یاد رکھیں کہ نقاد کو مصنف سے اونچا ہو کر لکھنا چاہیے، نیچا ہو کر نہیں۔ خدا کرے نقوش کی کامیابی سے آپ کا حوصلہ بڑھے۔

آپ کا

رشید صدیقی

۱۲/ اکتوبر ۱۹۵۶ء یونیورسٹی علی گڑھ

مکرمی تسلیم۔

نقوش کا شخصیات ۱۱؎ (نمبر ۲) موصول ہوا۔ آپ کے حوصلے اور محنت کی داد دیتا ہوں کہ آپ نے اس کام کو اس پیمانے پر اس خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اردو رسائل میں شاید نقوش کے علاوہ کسی اور نے اتنا بڑا اور اتنا اہم کام اب تک انجام نہیں دیا تھا۔ آپ کا یہ کارنامہ اردو دان طبقے کے دلوں میں نقوش کی یاد ہمیشہ تازہ رکھے گا۔ میری رائے ہے کہ آپ اس سلسلے کو برابر جاری رکھیں اور ہر دوسرے تیسرے سال نقوش کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع کر دیا کریں۔ تاکہ شائقین اس کی مکمل فائل رکھ سکیں۔ کچھ مدت بعد یہ فائل اردو کی قیمتی اور نایاب فائلوں میں شمار کی جائے گی۔ نقوش کی شخصیات نمبر کی سب سے زیادہ اہمیت میرے نزدیک یہ ہے کہ اس نے معروف لکھنے والوں ہی کے بارے میں ضروری معلومات نہیں فراہم کر دی ہیں۔ جو تھوڑی بہت تلاش سے کہیں نہ کہیں یوں بھی مل جاتیں بلکہ ان لوگوں کی خدمات بھی قلمبند کر دی ہیں کہ جو اتنے زیادہ مشہور نہیں ہیں اور جن کے بارے میں عام طور پر کم لوگ واقف ہیں لیکن جن کی خدمات کسی طرح نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ شخصیات نمبر میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے نام تو میں نے سنے تھے لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ اردو کی توسیع و ترقی مین ان کا اتنا قیمتی حصہ ہے۔ نیز یہ کہ اس قبیلے میں کیسے کیسے مجنوں گزرے ہیں! آخر میں دعا کرتا ہوں کہ آپ نے ان نمبروں پر جتنا روپیہ صرف کیا ہے وہ کافی نفع کے ساتھ آپ کو جلد واپس مل جائے۔ ''کافی نفع'' کا تصور مہاجنی بھی ہو سکتا ہے اور اسلامی بھی۔ یہ آپ پر موقوف ہے جس پر چاہیں آمین کہہ دیں۔ جہاں تہاں بعض شخصیتوں کے بارے میں لکھنے والوں نے زیادہ خوش عقیدگی سے کام

لیا ہے لیکن یہ وہ بات ہے جو وہ خود نہیں محسوس کر سکتے تھے۔ دوسرے ہی ان کو بتا سکتے تھے بہر حال ہمارے ہاں ایک ''کتاب المناقب'' ۱۲؎ کی بھی ضرورت تھی!

''کتاب المناقب'' کا لطیفہ تو آپ کو معلوم ہوگا۔

خیر طلب

رشید احمد صدیقی

Personal

۳۰/ اکتوبر ۱۹۵۶ء　یونیورسٹی علی گڑھ

طفیل صاحب۔ مکرم۔ تسلیم۔

نامہ گرامی مورخہ ۱۹، یہاں ۲۹ کو پہنچا۔ ہوائی جہاز سے بھیجا جائے اور اتنی دیر میں آئے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ''کتاب المناقب'' ۱۳؎ کا فقرہ علامہ شبلی کا ہے جو انہوں نے حالی کی حیات جاوید ۱۴؎ کے بارے میں فرمایا تھا۔ آپ نے ان مشاہیر کے خطوط طلب فرمائے ہیں جنھوں نے وقتاً فوقتاً مجھے خطوط لکھے اور جن کو { جو ۱۵؎ } میں نے محفوظ کر رکھے ہوں گے۔ یہ خبر تو کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی!

چند دنوں کی بات ہے ایک بے تکلف عزیز نے مجھ سے یہی فرمائش کی۔ میں نے جواب میں جو کچھ عرض کیا وہ ہرگز ایسا نہیں کہ جو آپ تک پہنچایا جائے لیکن اس امید پر کہ آپ پرائیوٹ خطوط کا احترام کرتے ہوں گے۔ یعنی پڑھنے سے پہلے نہیں تو پڑھنے کے بعد تلف کر دیتے ہوں گے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ میں نے کہا کے میرے پاس مشاہیر کے خطوط تو آتے رہے لیکن میں جواب دے کر ان کو تلف کر دیتا تھا۔ سبب یہ تھا کہ جہاں تک مشاہیر کا تعلق ہے۔ میں خود کو ان سے زیادہ ''مشاہیر'' سمجھتا تھا! لیکن اب جب کہ وہ مجھ سے پہلے اس جہاں سے گذر گئے اصلی ''مشاہیر'' وہی تھے۔ صرف مجھے خط نہ لکھ سکتے تھے! ہر مشاہیر کو جس صیغہ میں یہاں استعمال کیا گیا ہے اس سے آپ چونکیں نہیں۔ ام اے او کالج علی گڑھ ترکِ موالات ۱۶؎ کا حملہ ہوا تو اپنے اپنے لڑکوں کو سمجھانے بجھانے کے لیے بڑی کثرت سے ان کے والدین اعزا سرپرست وغیرہ آئے یا بھیجے گئے، اس زمانے میں کسی کے بارے میں کوئی پوچھتا کہ فلاں صاحب نظر نہ آئے تو اکثر جواب یہی ہوتا کہ وہ ''ایک والدین'' کے ساتھ فلاں جگہ دیکھے گئے۔ مدتوں کالج میں یہ فقرہ عام رہا کہ فلاں صاحب مع ''ایک عدد والدین شہر میں دیکھے گئے'' یا ایک صاحب نے کالج میں داخلہ لیا۔ معلوم نہیں وہی تھے یا ان کے والدین یا کوئی بہت ہی سنجیدہ یا شرعی نظر آتا تو لوگ کہتے بھئی تم تو ابھی سے والدین نظر آتے ہو۔ آگے چل کر بیوی بچوں کو ۱۷؎ کیا منہ دکھاؤ گے وغیرہ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

خیر طلب

رشید صدیقی

۲۴ دسمبر ۵۷ء یونیورسٹی علی گڑھ

عزیز گرامی۔ سلام ورحمت

۱۹/ کا نوازش نامہ کل موصول ہوا۔ باوجود اس کے کے ہوائی ڈاک سے بھیجا گیا تھا۔ اتنے دنوں میں تو انگلستان سے خط آ جاتا ہے۔ تقسیم سے پہلے لاہور کا خط یہاں کبھی کبھی دوسرے دن مل جاتا تھا۔ اب شاید دنیا میں کوئی دو مقام ایسے نہ ملیں جہاں زیادہ سے زیادہ دو دن میں مسافر نہ پہنچ جاتے ہوں لیکن یہ بھی تو ہے کہ شاید دنیا میں ہندوستان اور پاکستان جیسے دو ممالک بھی نہیں ہیں! آپ کے یاد دلانے سے اپنی فرد گزاشت یاد آئی کہ نقوش کے مکاتیب نمبر ۱۸ کی دو جلدوں کی وصولی کا میں نے شکریہ نہیں ادا کیا۔ کیا واقعی نہیں کیا؟ یقین نہیں آتا اس لیے کہ اس طرح کی نالائقی سہواً بھی ذرا کم ہی کرتا ہوں۔ بہرحال مجھے امید ہے آپ معاف فرمائیں گے۔ مکاتیب نمبر بہت اچھا نکلا۔ پاکستان کی بعض باتیں جو کبھی کبھی سننے دیکھنے میں آتی ہیں ان سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی ان کی تلافی اگر کسی بات سے ہو جاتی ہے تو وہ پاکستان میں اردو رسائل کی تیاری طباعت اور ترقی کی رفتار اور معیار ہے۔ جس میں نقوش کا اچھے سے اچھا اور بڑے سے بڑا حصہ ہے! دعا ہے کہ نقوش کی ترقی اور نیک نامی کے ساتھ آپ کا حوصلہ بڑھتا اور زحمت و زیر باری گھٹتی رہے۔ کیسے یقین آئے کہ زیر باری نہ ہوتی ہوگی۔ میری فرمائش پر آپ کی بھیجی ہوئی دونوں کتابیں ۱۹ مل گئی تھیں۔ شکریہ۔ ''خیال'' کا آزاد نمبر مجھے پہلے ہی موصول ہو چکا تھا۔ اب اس سلسلے کی کوئی اور کتاب نہ بھیجیے۔ یہاں لائبریری میں منگالی گئی ہیں۔ طنز و مزاح نمبر ۲۰ کے لیے لکھنے کا وعدہ کیسے کر لوں جبکہ جانتا ہوں کہ مجھ سے کچھ نہ بن پڑے گا۔ گو وعدہ کرنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں دیکھا۔ اس لیے کہ پورا نہ کرنے میں اب بے غیرتی کم محسوس کرنے لگا ہوں۔ جگر صاحب ۲۱ کی خدمت میں مرا سلام نیاز پہنچائے۔ گھر کے سارے چھوٹے بڑوں کا بھی۔ جو ان کا ذکر آ جانے پر اس طرح مسرور ہوتے ہیں۔ جیسے جگر صاحب ان کا کوئی کارنامہ ہوں! سال نو کی تہنیت قبول فرمایئے۔

دعا گو

رشید صدیقی

۱۳/ فروری ۶۲ء ذکاءاللہ روڈ۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مشفقی، سلام شوق،

کل نقوش کا لاہور نمبر ۲۲ ملا۔ حسب معمول یہ نمبر آپ نے جس غیر معمولی محنت اور سلیقے سے مرتب اور شائع کیا ہے۔ اس سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس طرح کے کارناموں میں اس وقت آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ یوں '' معاصرانہ چشمک'' جو چاہے کہتی یا کرتی رہے! اردو کے مستند لکھنے والے اپنی اکثر تحریروں میں نقوش کے شخصیات نمبر ۲۳ کا برابر حوالہ دیتے رہتے ہیں۔ اور یہ آپ کی خدمات کا قابل لحاظ اعتراف ہے۔

لاہور نمبر اتنا ضخیم اور وزنی ہے کہ میرے جیسا آدمی رات کو سونے سے قبل اسے ہاتھ میں لے کر یا سینے پر

رکھ کر تو پڑھنے سے رہا۔ اس کے مطالعے کے لیے تو میز کرسی درکار ہوگی۔ یہی نہیں بلکہ آپ کے حوصلے کا یہی عالم رہا تو کبھی .... باندھ کر نقوش کے پڑھنے کی نوبت آئے تو کچھ تعجب نہیں! میز کرسی پر سوا سرکاری و منصبی اوقات کے میں نے کبھی لکھنے پڑھنے کا کام نہیں کیا اس لیے یہ باتیں عرض کرنا پڑیں۔ لاہور نمبر کی ساری تصاویر دیکھ گیا۔ اور خوش ہوا وہاں کی مشہور ۲۴ عمارتوں اور مناظر کے علاوہ مشہور شخصیتوں کی تصاویر بھی فراہم کر دی ہوتیں تو اور اچھا ہوتا وہاں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی بھی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ کام بہت پھیل جاتا اور اخراجات بھی کافی بڑھ جاتے۔

کبھی ممکن ہو تو اس نمبر کا ضمیمہ بھی شائع کر دیجیئے گا۔ جس میں لاہور اور اس کے مضافات کی مخصوص عوامی زندگی کے مختلف مناظر ہوں۔ اس سے آپ کا یہ نمبر ''جگمگانے'' لگے گا۔ یہ ایک بات ذہن میں آئی جو عرض کر دی کچھ ضروری نہیں ہے کہ آپ اس پر عمل بھی کرنے لگیں۔ عمارتوں کی تصاویر یقیناً شاندار ہوتی ہیں لیکن زندگی کے تصاویر زیادہ ''جاندار'' ہوتی ہیں۔ غالباً ریاض ۲۵ نے ایک شعر میں بڑے مزے کی بات کہی ہے کہ مسجد مے خانے سے متصل تھی، ''طلب'' ہوئی تو میخانہ چلے گئے اور واپس آ کر پھر یادِ خدا میں مصروف ۲۶ ہو گئے! یہی حال آپ کے اس لاہور نمبر کا ہے۔ طلب ہوئی تو اسے جہاں تہاں سے پڑھ لیا اور پھر دنیا کے دھندے میں لگ گیا۔ نقوش کی ضخامت کے پیشِ نظر دیکھیے یہ سلسلہ کب تک رہے اس شمارے اور اس کے تمام اگلے ساتھیوں کو کلیتہً مفت حاصل کرنے پر آپ کا جتنا شکر گزار ہوں اتنا ہی اپنے لیے شرمسار ہوں!

مخلص

رشید صدیقی

Personal

۲۶/ اکتوبر ۶۲ء ذکاءاللہ روڈ۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مشفقی۔ سلام شوق،

عنایت نامہ (رجسٹرڈ) کل صادر ہوا۔ یاد فرمائیے جی خوش ہوا لیکن رجسٹری کرانے کی یہ زیر باری کیوں؟ خطوط کے ملنے میں یہاں کبھی گڑبڑ نہیں ہوتی۔ آپ نے چین اور ہندوستان کی جھڑپ کے بارے میں مجھ سے کوئی فتویٰ بھی نہیں طلب کیا تھا! کاش آپ نے مضمون لکھنے کی فرمائش اس محبت سے نہ کی ہوتی تاکہ معذوری کا اظہار کرنے میں مجھے وہ ندامت و تکلیف نہ ہوتی جو ہوئی!

لکھتا پڑھتا رہتا ہوں اس لیے کہ یہ نہ کروں تو مصیبت اور بڑھ جائے لیکن یہ لکھنا پڑھنا شوق ولوے یا وقت گزاری کے لیے نہیں ہے۔ مجبوری اور سخت مجبوری کی بنا پر ہے۔ جسے سنگ آمد و سخت آمد سے تعبیر کرتے ہیں! میں شاعر نہیں کہ جب جی چاہا یا ضرورت ہوئی ایک غزل کہہ کر بھیج دی اور ثواب کما لیا۔ اس سے غزل یا نظم گویوں کی توہین ہرگز مقصود نہیں ہے۔ البتہ آج کل رسائل میں اور ادھر ادھر مستند شعرا کا بھی کلام دیکھ کر ذہن میں یہی بات آتی

ہے کہ یا تو کہنا ہی نہیں آتا اور کچھ کہنے کو نہیں ہے یا پھر محنت سے بچتے ہیں۔

اب جب کہ بوڑھا ہی نہیں قبر[۲۷] کے نزدیک پہنچا شاعر بننے کی کیا آرزو کروں۔ میں تو جب جی چاہا جو کچھ جی میں آیا نثر میں بھی کبھی لکھ نہ پایا۔　　کرنا ذہنی ہو یہ جسمانی اب میرے بس کی بات نہ رہی۔ اس اعتراف کے بعد امید کرتا ہوں کہ آپ کو معاف کر دینے میں زیادہ تکلیف نہ ہوگی۔

آپ کا

رشید صدیقی

۹/[۲۸] جولائی ۱۹۶۳ء　یونیورسٹی علی گڑھ

شفیق۔ تسلیم۔

رجسٹری ملی۔ آپ نے فرمائش کی ہے کہ نقوش کے آئندہ نمبر[۲۹] کے لیے اپنی کچھ سرگزشت لکھ بھیجوں۔ جو کچھ ہو سکتا تھا وہ تو ''آشفتہ بیانی میری''[۳۰] میں آچکا ہے۔ اپنے بارے میں بیشتر یا بار بار گفتگو کرنا ناواجب بات ہے۔ آشفقہ بیانی شاید کبھی نہ لکھتا لیکن سخت بیماری سے اٹھا تھا، جسے موت کے منہ سے نکل آیا ہوں لیکن معلوم نہیں کب دفعتاً اس کا شکار ہو جاؤں۔ آپ تو اس زمانے (۱۹۵۵)[۳۱] میں مجھے دیکھ چکے ہیں۔ آپ نے شاید محسوس بھی نہ کیا ہو لیکن میری حالت غیر تھی۔ ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن نے جو مرے دوست اور معالج تھے اصرار کیا تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے آپ سے ضرور مل لوں۔ تکیے کے سہارے سے مشکل سے بیٹھ سکا لیکن طبیعت اس درجہ ''غیر حاضر'' تھی کہ آج آپ کہیں مل جائیں تو آپ کو پہچان نہ سکوں گا۔ آشفتہ بیانی کا غور اور تھوڑی سی عرق[۳۲] ریزی سے مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس میں میری اپنی داستان کم ہے زیادہ تر علی گڑھ کی اُس عظمت اور احسان کا اعتراف ہے جس کا نقش میرے ذہن میں مرتے دم تک رہے گا۔ بیماری سے اٹھتے ہی سب سے پہلے یہ خیال ذہن میں آیا کہ معلوم نہیں کب کیا ہو جائے۔ علی گڑھ کا مجھ پر جو احسان ہے اس کا جلد سے جلد اعتراف کر لوں جسے کوئی کسی کا قرض اُتارتا ہو۔ آپ کو کیسے باور کراؤں کہ میری زندگی میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے میں اپنی فضیلت یا دوسروں کو مرعوب یا متاثر کرنے کا وسیلہ یا تقاضا سمجھوں۔ خواہ مخواہ کی کسر نفسی نہیں کر رہا ہوں۔ کسر نفسی کر کے میں کیا پا لوں گا اور کتنے دن اس سے بہرہ مند رہوں گا۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے آپ میری ان باتوں سے مطمئن نہ ہوں گے۔ آپ کی فرمائش کا ٹالنا میرے لیئے ہمیشہ تکلیف دہ رہا ہے کہیے تو بچپن کا ایک آدھ قصہ[۳۳] لکھ رکھوں جن کا شمار نہ سرِ دلبراں میں ہوگا نہ حدیث دیگراں میں

آپ کا

رشید احمد صدیقی

Personal

۳/نومبر ۶۳ء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مجی۔ تسلیم۔

نوازش نامہ ملا۔ اس کا افسوس ہے کہ آپ نے میری معذرت کو رسمی سمجھ کر قابل قبول قرار نہیں دیا۔ آپ ہی بتائیے جھوٹا عذر کر کے میں کیا پا لوں گا۔ وہ بھی عزیزوں دوستوں اور اپنے خوردوں سے۔ کوئی لکھنے والا مجھے ایسا بتا دیجئے۔ جو لکھ سکتا ہو اور اس کو شائع کروانے کا اس کا جی نہ چاہتا ہو۔ میرا مضمون شائع ہوگا تو پہلی شہرت میری ہوگی اس کے بعد آپ کی اور آپ کے نقوش کی۔ اس کے بعد بے وقوفی ہی ہوگی اگر میں لکھنے سے جان چھڑاؤں یا جی چراؤں۔ آپ یقین مانیں اگر میرا قیام لاہور میں ہوتا اور ضرورت[۳۴] دیکھتا تو نقوش کی کتابت کی تصیح کرنے اور کاپی پڑھنے میں کبھی عذر نہ کرتا۔ دوست کی خدمت کرنے اور اس کا کہنا ماننے میں میں اپنی بڑی فضیلت سمجھتا ہوں۔ دوسرے کے کام آنا کتنا بڑا امتیاز ہے۔ چاہے وہ خدمت کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو۔ ان باتوں کے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کچھ لکھنے کا دل نہیں چاہتا۔ مکروہات میں رہ کر اچھی چیز لکھنے کی کوشش کرنا اُس اچھی چیز کی توہین ہے۔

خدا حافظ

مخلص

رشید احمد صدیقی

Strictly Personal

۱٦/ ۱۷ مئی ۱۹٦۵ء ذکاءاللہ روڈ۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

طفیل صاحب مکرم۔ سلام شوق۔ جب کبھی نقوش ملتا ہے تو آپ کی محبت اور اپنی بے غیرتی یاد آ جاتی ہے۔ آپ نے تھک کر تقاضا کرنا ترک کر دیا پھر بھی مجھ سے نقوش کے لئے کچھ نہ ہو سکا۔ اور اب بھی کیا ہوگا! یہ تو محض ضمیر کی سرزنش ہے جس سے مجبور ہو کر اپنی دیرینہ فروگزاشت کا اعتراف کر رہا ہوں۔

کیا بتاؤں کہ سبب کیا ہے اور بتانے کا کوئی نتیجہ بھی نہیں جب یہ پہلے سے معلوم ہو کہ ایڈیٹر (باستثنا آپ کے) اور خواتین کسی ایسے عذر کو قابل اعتناء نہیں سمجھتیں جو ان کی مرضی یا مفاد کے مطابق نہ ہو۔ ان کو تو بہر صورت مرچنٹ آف وینس[۳۵] کے یہودی Shylock کی[۳٦] طرح صرف ''پونڈ آف فلش''[۳۷] Flesh درکار ہوتا ہے! کوئی آپ کے دیار اور آپ کی جان پہچان کا مل جاتا ہے تو دیر تک آپ اور نقوش کا ذکر خیر رہتا ہے اور ہم دونوں خوش وقت ہو لیتے ہیں۔ نقوش آپ جس پابندی اور سلیقے سے نکالتے ہیں اس کا اعتراف عام طور پر سبھی کرتے ہیں۔ اس کا علم سب سے زیادہ آپ کو ہوگا۔ مجھے بھی کچھ کم نہیں۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور آپ کے عزائم میں روز افزوں برکت دے۔ آمین۔

مخلص

رشید احمد صدیقی

اتوار ۱۰/اپریل ۱۹۶۶ء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مکرمی۔ تسلیم۔

رات بارہ بجے آپ کا تار ملا کہ نقوش کے لیے مضمون بھیجو! اعلان تاشقند ۳۸؎ کے بعد اس کا اندیشہ بہت کم ہو گیا تھا کہ کسی شریف آدمی کے پاس رات کو بارہ بجے تار پہنچے گا! اس سے پہلے نقوش کی حسب معمول دو ضخیم جلدیں ۳۹؎ موصول ہو چکی تھیں۔ جن کی شکریے کی رسید بھی بھیج چکا تھا اس کے بعد آپ کے دو ایک نوازش نامے بھی ملے

فانی کا شعر آپ نے سنا ہوگا،

صور و منصور، وطور ارے توبہ

ایک ہی تیری بات کا انداز! ۴۰؎

میرا مطلب ثانی مصرعے سے تھا! مضمون کہاں کہ آپ کی فرمائش پوری کر کے اس شرمندگی سے نجات پاؤں جو ایک عرصے دامن گیر نہیں گلو گیر ہے۔ لیکن لکھ نہ پاؤں تو ناچار کیا کروں۔ میرے پاس کچھ بھی تو نہیں ہے کہ پیش کر سکوں اور ایسے وعدے یا خوش نیتی کی کوئی اہمیت نہیں جو پوری نہ ہو سکے ورنہ کسی نہ کسی طرح کا وعدہ ہی کر لیتا۔ امید ہے آپ معاف فرمائیں گے اس کے سوا اور کیا عرض کروں جبکہ ایسے دن تیزی سے قریب آ رہے ہیں جب میری ہر معذوری قابل عفو ہوگی۔

مخلص

رشید احمد صدیقی

۸/ جولائی ۱۹۶۷ء ذکا اللہ روڈ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مشفقی۔ تسلیم۔

محبت نامہ ملا۔ چند دن پہلے آپ کی شاید جدید ترین تصنیف آپ موصول ہوئی تھی۔ ان دونوں سے پہلے نقوش کے مسلسل شمارے۔ ان میں سے کسی کی وصولی تک کی اطلاع نہ دے سکا۔ لیکن یقین مانئے برابر خوش اور شکر گزار ہونے ہوتا رہا۔ یہ بھی سچ جانئے کہ خوش اور شکر گزار سے کچھ کم نادم بھی نہیں ہوں کہ نقوش کے لیے ایک مدت سے کچھ لکھ نہ سکا۔ اسباب کیا بتاؤں۔ زندگی کچھ اس طرح گذر رہی ہے کہ جو چاہتا ہوں وہ کر نہیں پاتا اور جو نہیں چاہتا وہ کرنا پڑتا ہے۔ جبر و اختیار کی یہ ستم ظریفی بھی دیدنی ہے۔

آپ کو غلط اطلاع ملی ہے کہ آج کل ۴۱؎ میں نے کوئی ''زوردار'' مضمون لکھا ہے۔ زندگی میں شاید ایک ہی بار وہ بھی مدت ہوئی۔ ''آج کل'' ۴۲؎ میں میرا ایک مضمون شائع ہوا۔ اب تو اس کا عنوان بھی نہیں یاد رہا۔

موصولہ کتاب (آپ) ۴۳؎ اب تک پڑھ نہ پایا کچھ دنوں سے آنکھوں کی تکلیف ہے۔ اس قسم کی تکلیف جو بڑھاپے

کی طرح ''آ کے نہ جائے'' خدا آپ کو خوش رکھے اور نقوش کے ''طفیل'' نیک نام اور فارغ البال۔

مخلص

رشید احمد صدیقی

بدھ، ۲۹/مئی ۶۸ء ذکااللہ روڈ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

طفیل صاحب مکرم۔ سلام شوق۔

نقوش کی تین جلدیں (خطوط نمبر) بہ حسب معمول گھر بیٹھے مفت ملیں اور حسب معمول ہی خوش اور شکر گزار ہوا۔ شرمندہ بھی کہ اس سے زیادہ کی توفیق نہ ہوئی۔ آپ کا اللہ تعالی سے جو معاہدہ ہوا میرا خیال ہے وہ پورا ہو گیا اور آپ کو سفر آخرت پر جانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ اور نقوش اور ہم سب کی خوش نصیبی ہو کہ اللہ تعالی کا معیار ہمارے آپ کے معیار سے اونچا اور مختلف ہو۔ بہر حال پاسپورٹ آپ نے حاصل کر لیا ہے۔ ویزا جب آجائے!

میرا مشورہ ہے کہ آپ ارباب قضا و قدر سے تجدید معاہدہ کریں اور شرط یہ ہو کہ جب تک آپ نقوش کا ایک ''اللہ نمبر'' بھی نکال نہ لیں آپ کو جوں کا توں اور جہاں کا تہاں رہنے دیا جائے۔ یوں بھی یہ نمبر اس لیے ضروری ہے کہ سب جان جائیں کہ روز اول سے آج تک اللہ تعالی کا ہمارے بارے میں کیا خیال اور سلوک رہا۔ ہے اور ہم دونوں نے دنیا کے ساتھ کیا سلوک کیا الف لیلیٰ کی ہیروئن نے تا تمام قصے کہہ کہہ کر اپنی جان بچالی اور سب کو ایسی لازوال کتاب دے گئی۔ آپ اللہ تعالی اور اس کے بندوں کے قصے (عہد بعد کے) سنا کر اپنی بھی جان بچا لیں تو کیا عجیب۔ اس طرح کوئی اور خوش ہو یا نہ ہو آپ کے دشمن کڑھیں گے۔ آپ کی عمر طویل ہو گی اور نقوش کا نمبر ضخیم سے ضخیم تر۔ سودا برا نہیں ہے۔ کر ڈالیئے۔ امید ہے مزاج عالی مع الخیر ہو گا

مخلص

رشید احمد صدیقی

جمعرات ۵/ دسمبر ۱۹۶۸ء ذکااللہ روڈ۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مشفقی۔ تسلیم۔

۱۸/ نومبر کا رجسٹری شدہ عنایت نامہ ۲۹/ کو موصول ہوا تھا۔ بعض معذوریوں کے سبب سے بروقت جواب نہ دے سکا۔ اس سے پہلے نقوش ملا تھا۔ حسب معمول اپنی مخصوص شاندار روایات کے ساتھ میرے کچھ نہ لکھنے پر آپ کا گلہ بجا ہے۔ کیا کروں کچھ کر نہیں پاتا۔ کبھی کبھار کچھ ہو جاتا ہے۔ لیکن جانتا ہوں کہ کیسے ہو جاتا ہے۔ مرے اس اعتراف کو اپنے تقاضے کے جواز میں نہ سمجھیے۔ آپ تو اپنے اور نقوش کے بارے میں میرے خوش ہو لینے اور آپ دونوں کے لیے دعائے خیر کر لینے پر اکتفا کیجیے۔ زندگی ہے تو عید بعد اپنی دو تین چھپی ہوئی تحریریں آپ کی خدمت میں آپ کے مطالعہ کے لیے (نقوش میں جگہ پانے کے لیے نہیں) بھیج دوں گا۔ لیکن یہاں کے مطبوعات پر حکومت

پاکستان نے کچھ پابندیاں عائد کردی ہیں۔اس کا کیا ہو؟
دعا ہے کہ آپ خوش اور تندرست ہوں اور نقوش کی تیاری اور ترقی کو اپنے لیے بہت بڑا انعام سمجھتے ہوں۔

مخلص

رشید احمد صدیقی

۹/مئی ۱۹۶۹ء ذاکر باغ۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

طفیل صاحب محترم۔آداب۔ذاکر صاحب ۴۵ کے اچانک سانحہ وفات ۴۶ سے دل بے قرار ہے۔ ورنہ غالب پہ نظام لیکچرز ۴۷ سے متعلق آپ کو تفصیل سے لکھتا کہ کن حالات میں لکھے گے اور نقوش کے لیے کیونکر کچھ نہ لکھ سکا۔ریڈیو سے ان کہ اقتباسات سن کر آپ نے جس طرح اپنی پسندیدی کا اظہار فرمایا ہے۔اس کے لیے بدل سپاہی گزار ہوں۔یہی لیکچرز شعبہ اردو دہلی کی ملکیت ہیں۔عنقریب وہ ان کو شائع کریں گے ۴۸۔ مطبوعہ نسخے آپ کی خدمت میں انشاءاللہ ضرور بھیجوں گا۔نقوش کے گراں قدر مخصوص شمارے برابر ملتے رہتے ہیں۔یہاں احباب بڑے اصرار اور شوق سے لے جا کر ان کا مطالعہ کرتے اور اس کی تازہ ترین اشاعت کے مشتاق و منتظر رہتے ہیں۔یہ آپ کی دیرینہ بے نظیر خدمات کا بہت اچھا اعتراف ہے۔اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے آمین

مخلص

رشید احمد صدیقی

حوالا جات:

۱۔ مسعود حسین خان، (بحوالہ) رشید احمد صدیقی۔شخصیت و فن، ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید، (حیدرآباد: نیشنل بک ڈپو، چارکماں، طبع دوم، جون ۱۹۷۶)ء ص: ۸

۲۔ مکاتیب رشید احمد صدیقی۔فکری و فنی جائزہ، مقالہ نگار، محمد عرفان ظفر، مقالہ برائے ایم اے اردو، (لاہور: اورئنٹیل کالج، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۰۔۱۹۹۱ء ص:

۱۵۰

۳۔ یہ لفظ پنچ مشین کی وجہ سے کٹ گیا ہے۔لہذا جملے کی مناسبت سے لفظ ''ہے'' قیاس کیا گیا ہے۔

۴۔ پنچ مشین کی وجہ سے یہ لفظ کٹ گیا ہے مگر آخری حصہ ''ی'' اور ''ر'' موجود ہے جس کی وجہ سے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ انہوں نے یہاں لفظ ''ایڈیٹر'' لکھا ہے اور یہ
لفظ متن کے مفہوم سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔

۵ یہاں اس جملے میں لفظ ''مشتعل'' لکھ کر قلم زد کر دیا گیا ہے اور اس کے بعد ''مایوس یا مشتعل'' لکھا ہے۔'' مشتعل'' کے لفظ کو مایوس کے بعد لکھنے میں لطافت اور

نزاکت یہ ہے کہ محمد طفیل کے بارہا تقاضوں کے بعد بھی جب انہیں رشید احمد صدیقی کی طرف سے نقوش کے لیے تحریریں موصول نہ ہوئی ہوں گی تو انہوں نے
اپنے خطوط میں پہلے مایوسی اور مابعد برہمی کا اظہار کیا ہوگا۔

۶۔ یہ ترکیب غالب کے مصرے سے لی گئی ہے۔ مکمل شعر یوں ہے

تم سے بیجا ہے، مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا

دیوان غالب (نسخۂ عرشی) مرتب: امتیاز علی خان عرشی، لاہور، مجلس ترقی ادب لاہور، ص: ۱۸۵

۷۔ یہ غالب کا مصرع ہے۔ مکمل شعر یوں ہے۔

پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

دیوان غالب (نسخۂ عرشی) مرتب: امتیاز علی خان عرشی، لاہور، مجلس ترقی ادب لاہور، ص: ۲۹۳

۸۔ خنداں۔ ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ ہے، جو ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹ء کے درمیان آل انڈیا ریڈیو، دہلی سے وقتاً فوقتاً نشر ہوئیں۔ کتابی صورت میں یہ مجموعہ پہلی بار
۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔ خنداں کی یہ تقریریں، تحریریں نظر ثانی کے عمل سے بھی گزریں۔
خنداں، مرتبہ: ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء ص ۷۔۸
نظر ثانی کے بعد رشید احمد صدیقی نے ان میں کافی اضافہ اور ردو بدل کر دیا تھا۔

۹۔ ''نقوش'' (افسانہ نمبر) لاہور، شمارہ نمبر ۲۵۔۲۶، ستمبر اکتوبر، ۱۹۵۲ء

۱۰۔ نقوش کے افسانہ نمبر میں ''تعبیر طلب'' کے نام سے شوکت تھانوی کا مضمون شائع ہوا۔

۱۱۔ نقوش، (شخصیات نمبر ۲)، شمارہ نمبر ۵۹۔۶۰، اکتوبر، ۱۹۵۶ء

۱۲۔ اس لطیفے کی وضاحت رشید احمد صدیقی نے اپنے خط بنام محمد طفیل، ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں یہ کہہ کر کر دی کہ ''کتاب المناقب'' کا فقرہ علامہ شبلی کا ہے جو انہوں
نے حالی کی ''حیات جاوید'' کے بارے میں فرمایا تھا۔

۱۳۔ مکاتیب شبلی۔ حصہ اول) خط بنام حبیب الرحمٰن شروانی)؛ دار المصنفین اعظم گڑھ (۱۹۱۶ء) ص: ۱۳۲

۱۴۔ حالی نے سر سید احمد خان کی سوانح پر ''حیات جاوید'' کے نام سے کتاب لکھی۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۰۱ء میں ''نامی پریس کانپور'' سے شائع ہوئی۔

۱۵۔ خیال ہے یہاں ''جن کو'' سہواً لکھا گیا ہے۔ ''جو'' سے جملہ بامعنی بن جاتا ہے اس لیے قوسین میں ''جو'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۶۔ گاندھی جی نے ''تحریک خلافت'' سے وابستگی دکھائی اور مسلمانوں کا دل دکھانے پر ''تحریک عدم تعاون'' کا ارادہ کیا۔ اس تحریک کے زیر اثر ہندوؤں اور مسلمانوں نے یک جہتی کا مظاہرہ کیا (یہ باہمی اتحاد ترک موالات کہلایا۔ اردو انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے'' گاندھی جی اور علی برادران کے تعاون کی وجہ سے ترک موالات کی تحریک نے غیر معمولی شدت اختیار کر لی ہزاروں طلبا اور اساتذہ تعلیم ترک کر کے سیاسی میدان میں کود پڑے۔ اردو انسائیکلوپیڈیا، جلد اول، مدیر علی، پروفیسر فضل الرحمٰن، نئ دہلی۔ قومی کونسل برائے ترقی اردو، ۱۹۹۶ء، ص : ۵۷۴) اور سرکاری ملازمتوں اور انگریزی مدرسوں سے الگ ہو گئے۔ ترک موالات کی یقینی اثر علی گڑھ پر بھی ہوا رشید احمد صدیقی نے خط میں اسی تحریک کے اثرات سے متاثر ہو کر علی گڑھ چھور کر جانے پر آمادہ تھے اور اپنے لڑکوں کو
سمجھانے بجھانے کے لیے ان کے والدین علی گڑھ آتے تھے۔ رشید احمد صدیقی، جو کہ اس زمانے میں ایم۔اے کے آخری سال کے طالب علم تھے اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ ''اس تحریک کا سب سے نمایاں اور اہم ردعمل ترک موالات کا وہ حملہ تھا، جو ۱۹۲۱ء میں ایم اے او کالج پر ہوا، ۔۔۔۔۔ اس وقت کے بیشتر اچھے طلبا علی گڑھ سے نکل کر جامعہ میں شامل ہو گے۔'' رشید احمد صدیقی، ذاکر صاحب، ص: ۳۸

۱۷۔ رشید احمد صدیقی نے یہاں پر لفظ ''کیسے'' لکھ کر اسے کاٹ دیا ہے۔ اور ''کیا'' لکھ کر جملہ جاری رکھا۔

۱۸۔ وہ دونوں جلدیں درج ذیل ہیں:
نقوش (مکاتب نمبر، جلد اول) شمارہ نمبر ۶۵۔۶۶ نومبر ۱۹۵۷ء
نقوش (مکاتب نمبر، جلد دوم) شمارہ نمبر ۶۵۔۶۶ ۱۹۵۷ء

۱۹۔ رشید احمد صدیقی نے مورخہ ۲۔ اگست ۱۹۵۷ء کے خط میں ان دونوں کتابوں کے وصول پانے کی اطلاع دے دی تھی۔ خط کی تحریر یوں ہے کہ: '' آپ کے کرم کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری فرمائش پر'' مطبوعات ۱) لیل و نہار، ۲) ۱۸۵۷ء مصنف محمد شفیع صاحب بذریعہ ڈاک جو کل یکم اگست کو مل گئی، بھیج دیں۔''

۲۰۔ نقوش (طنز و مزاح نمبر) شمارہ ۷۱۔۷۲، جنوری فروری ۱۹۵۹ء

۲۱۔ جگر مرادآبادی کا اصل نام علی سکندر ہے۔ وہ ۱۸۹۰ء میں مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ نویں درجے تک درسی تعلیم حاصل کی۔ اپنے مترجم کے ضامن سمجھے جاتے تھے۔ ادبی خدمات کی وجہ سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے انہیں ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ جگر مرادآبادی ۹ ستمبر ۱۹۶۰ء کو گونڈے میں وفات پا گئے۔

۲۲۔ نقوش (لاہور نمبر) شمارہ ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء

۲۳۔ نقوش شخصیات نمبر کی تفصیل درج ذیل ہے:
نقوش (شخصیات نمبر، جلد اول) شمارہ نمبر ۴۷۔۴۸، جنوری ۱۹۵۵ء

نقوش (شخصیات نمبر، جلد دوم) شمارہ نمبر ۵۹۔۶۰، اکتوبر ۱۹۵۶ء

۲۴۔ پنچ مشین کی وجہ سے یہ لفظ کٹا ہوا اور مکمل پڑھا نہیں جا رہا مگر مشین سے بچ جانے والے حرف سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہاں لفظ ''مشہور'' لکھا ہے۔

۲۵۔ اصل نام سید ریاض احمد ہے۔ خیر آباد، ضلع سیتا پور (یو پی) مین ۱۸۵۶ء پیدا ہوئے۔ امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ ۲۸ جولائی ''ریاض رضواں'' کے نام سے ان کا
مجموعہ ۱۹۳۸ء میں ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ ۱۹۳۴ء کو وفات پائی۔

۲۶۔ ریاض خیر آبادی کا شعر یوں ہے:

اٹھے کبھی گھبرا کے تو مے خانے کو ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یاد خدا میں

(بحوالہ: خطوط رشید احمد صدیقی (جلد دوم)، مرتبین: مہر الہی ندیم، لطیف الزماں خاں، کراچی، رائل بک کمپنی، ۱۹۹۳ء، ص: ۴۰

۲۷۔ رشید احمد صدیقی کی صحت زندگی کے کسی حصے میں بھی تسلی بخش نہ رہی۔ کبھی گردے کی تکلیف اور آپریشن اور کبھی عارضہ قلب کا لاحق ہو جانا۔ صحت کے علاوہ کئی نجی مسائل اور بھی تھے جن کے سبب وہ پریشان اور دل برداشتہ رہتے۔ مثلاً اپنی عزیز ہمشیرہ طاہرہ سے تعلقات خراب ہو گئے، ۱۹۵۷ء میں ان کی بیٹی آسمہ زچگی کے دوران انتقال کر گئیں، دوسری بیٹی سلمی صدیقی کی شوہر سے علیحدگی نے انہیں سخت اذیت میں مبتلا رکھا۔

۲۸۔ پنچ مشین کی وجہ سے تاریخ کا کچھ حصہ کٹ گیا تھا۔ مہر سے صحیح تاریخ کا تعین کرنے میں مدد ملی ہے۔

۲۹۔ آئندہ نمبر سے مراد نقوش کا آپ بیتی نمبر ہے۔ جو کہ جون ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا۔

۳۰۔ رشید احمد صدیقی، ''آشفتہ بیانی میری''، مکتبہ ادبِ نو، دہلی ۱۹۶۰ء

۳۱۔ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید لکھتے ہیں کہ:

''رشید صدیقی کی نجی زندگی میں ۱۹۵۵ء سے نمایاں تبدیل آ چکی ہے۔ وہ پہلے سے یوں بھی کم آمیز، لوگوں سے کم ملاقات کرنے والے اور سفر سے گھبرانے والے مشہور تھے۔ لیکن عارضہ قلب کے بعد ان کے عادات میں اور شدت ہو چکی تھی۔۔۔۔۔ عارضہ قلب کے بعد ان کی تفریحات کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے ایک طرح سے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔'' (ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید، رشید احمد صدیقی، شخصیت وفن، ص: ۹۴)

۳۲۔ پنچ مشین کی وجہ سے لفظ کٹ گیا ہے۔ قیاس سے یہاں لفظ ''عرق'' لکھا گیا ہے۔

۳۳۔ آپ بیتی نمبر (۲) جون ۱۹۶۴ء میں رشید احمد صدیقی کی تحریر بعنوان ''رشید احمد صدیقی'' شائع ہوئی۔

۳۴ پنچ مشین کی وجہ سے لفظ کٹا ہوا ہے۔ مگر باقی رہ جانے والے حروف سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں لفظ ''ضرورت'' لکھا گیا ہے۔

۳۵۔ Shakespeare, William, The merchant of Venice, ed. John RussellBrow. London, Methuen And co. LTD.

۳۶۔ Shylock، شائی لاک یہودی ساہوکار ہے جو سود پہ قرض دیتا ہے۔

۳۷۔ مرچنٹ آف وینس کی کہانی تین کرداروں کے گرد گھومتی ہے۔۔۔بسینو (Bassanio) جو کہ وینسی معزز طبقے سے تعلق رکھتا ہے اور بلمونٹ (Blemont) کی نواب زادی پورشیا (Portia) سے شادی کا خواہش مند ہے، جو ایک وسیع ترکے کی مالکہ ہے۔ سفر اور شادی کے اخراجات پورے کرنے کے لیے بسینو اپنے دوست انٹونیو (Antonia) سے مدد کی درخواست کرتا ہے۔ انٹونیو وینس کا ایک معزز تاجر ہے جس کی تجارتی جہاز یورپ سے افریقہ تک پھیلے ہوئے

ہیں لیکن جس وقت بسینو اس کے پاس اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے پہنچا ہے۔ اس سے انٹونیو کے ہاتھ خالی ہوتے ہیں اور ہوا اپنے تجارتی جہازوں کی واپسی کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ انٹونیو اسے تجویز پیش کرتا ہے کہ وہ کسی ساہوکار سے ادھار پہ رقم اٹھا لے اور معاہدے کی رقم بعد میں انٹونیو ادا کر دے گا۔ بسینو، انٹونیو کو شائی لاک (Shylock) کے پاس لے جاتا ہے۔ شائی لاک یہودی ساہوکار ہے جو سود پہ قرض دیتا ہے۔ انٹونیو اور شائی لاک کی دیرینہ مخاصمت کی بدولت

شائی لاک قرض دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ بعد ازاں وہ اس شرط پہ قرض دینے پہ آمادہ ہوتا ہے کہ اگر انٹونیو مقررہ وقت پر معاہدہ پورا نہ کر سکا تو وہ انٹونیو کے بدن سے ایک پاؤنڈ گوشت کاٹ لے گا اور یہ قرض بلا سود دے گا۔ بسینو اس معاہدے پہ رضامند نہیں ہوتا لیکن انٹونیو اسے منا لیتا ہے۔ یوں بیسنو رقم لے کر بلمونٹ پہنچ جاتا ہے اور پورشیا سے شادی کر لیتا ہے، ادھر انٹونیو کے جہاز سمندر میں ڈوب جاتے ہیں اور وہ رقم ادا نہیں کر پاتا۔ شائی لاک مقدمہ لے کر عدالت

پہنچ جاتا ہے، اس سمے میں بسینو اطلاع ملتے ہی رقم لے کر دوست کی مدد کو آن پہنچتا ہے، لیکن شاۂ لاک معاہدے کی رو سے بضد ہوتا ہے کہ وہ ایک پاؤنڈ گوشت کاٹے گا اور وہ اپنے معاملے میں حق بجانب ہوتا ہے کیونکہ مقررہ رقت گزر چکا ہے۔ عدالت میں جج اسے مقدمے کی پیش قدمی سے انکار کر دیتا ہے، اور وہ اپنی جگہ ایک نوجوان قانون داں کو مقدمے کی پیش قدمی کے لیے بھیج دیتا ہے۔ پورشیا نوجواں قانون داں کو بہروپ دھار کر عدالت میں مقدمے کی پیش قدمی کرتی

ہے اور شائی لاک سے رحم کی درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنی ضد چھوڑ کر رقم لے لے لیکن شائی لاک رقم ٹھکرا کر ایک پاؤنڈ گوشت کاٹنے پہ بضد رہتا ہے۔ یوں

شائی لاک کو اپنی ضد پوری کرنے کی اجازت مل جاتی ہے لیکن وہ اپنے عمل کو سرانجام دے اس سے قبل
نوجواں قانون داں اسے یاددہانی کرواتا ہے کہ معاہدے
میں ماس کاٹنے کی شرط طے ہے اس لیے اگر خون کی ایک بوند بھی گری تو وہ مقدمہ ہار جائے گا۔ خون بہے
بغیر ماس کاٹنا ناممکن ہے یوں شائی لاک مقدمہ ہار
جاتا ہے اور رقم لینے سے وہ پہلے ہی انکار کر چکا ہوتا ہے، عدالت اسے مجبور کرتی ہے کہ اب وہ ماس کاٹے
بصورت دیگر حکم عدولی کی عوض اسے اپنی ساری دولت
ریاستی خزانے میں جمع کروانی ہوگی اور عیسائی مذہب اختیار کرنا ہو لیکن شائی لاک عیسائیت کو قبول کرنے
کی بجائے جلاوطنی کو ترجیح دیتا ہے۔

۳۸۔ ''۱۹۶۵ء کو پاک بھارت جنگ کے بعد ۱۰۔ جنوری ۱۹۶۶ء کو پاکستان کے صدر ایوب خاں اور بھارت
کے وزیراعظم لال بہادر شاستری نے ایک معاہدے پر
دستخط کیے جو ''معاہدہ تاشقند'' کے نام سے مشہور ہے۔۔۔۔۔ پاکستان اور بھارت کے یہ تاریخی
مذاکرات جن میں سوویت یونین نے ثالث کے فرائض سر
انجام دیے، سات دن تک جاری رہے۔''
(پاکستان کرونیکل، کراچی، فضلی سنز لمیٹیڈ طبع اول، اپریل ۲۰۱۰، ص: ۲۵۴

۳۹۔ ان شماروں کی تفصیل یہ ہے:
(۱) نقوش، شمارہ نمبر ۱۰۳، ستمبر ۱۹۶۵ء
(۲) نقوش، شمارہ نمبر ۱۰۴، جنوری ۱۹۶۶ء
ہوسکتا ہے یہ دونوں رسالے ایک ساتھ اس لیے بھجوائے گے ہوں کہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں جنگ کی وجہ سے
رسالہ چھپنے یا بھجوانے میں تاخیر ہوگئی ہو۔ جنوری ۶۶ء کا
شمارہ شائع ہوجانے پر دونوں شمارے ایک ساتھ بھجوا دیئے گے ہوں۔

۴۰۔ دیوان فانی، مرتبہ: رشید احمد صدیقی میں یہ شعر یوں درج ہے۔

صور و منصور و طوار ارے توبہ
ایک ہے تیری بات کا انداز

جبکہ خط میں دوسرا مصرع یوں درج ہے۔
''ایک ہی تیری بات کا انداز''
(دیوانی فانی، مرتبہ: رشید احمد صدیقی، ص ۳۶)

۴۱۔ محمد طفیل کی تیسری کتاب کا نام ''آپ'' ہے جس میں نیاز فتح پوری، جوش ملیح آبادی، اختر اورینی اور کرشن

چندر پر تفصیلی مضمون ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۶۷ء
میں ''ادارہ فروغ اردو'' لاہور سے شائع ہوئی۔

۴۲۔ ''آج کل'' کا تعارف: ''تحریک آزادی کے اثرات ختم کرنے اور حکومت برطانیہ کی ساکھ بحال کرنے کے لیے حکومت برطانیہ نے دل میں ایک ادارہ یونائیٹڈ پبلی کیشنز (متحدہ مطبوعات) کے نام سے قائم کیا۔ اس ادارے نے پشتو زبان میں ایک رسالہ ''نن پرون'' کے نام سے ۵۔ مئی ۱۹۴۱ء میں نکالنا شروع کیا۔۔۔۔۔ بار بار یہ خواہش کی گئی کہ رسالہ نن پرون کا اردو ایڈیشن بھی جاری کیا جائے۔۔۔۔ تب اس کی پشتو نام کی جگہ اردو نام پر غور کیا جانے لگا۔۔۔نن کے معنی ''آج'' اور پرون کے معنی ''کل'' کے ہوتے ہیں۔ لہذا اس جریدے کا نام نن پرون کے نام پر ''آج کل'' رکھ دیا گیا۔ اور ۲۵۔ نومبر ۱۹۴۲ء کو'' آج کل'' کے نام سے پہلا پرچہ شائع ہوا''
اشاریہ آج کل (جلد اول) مرتبہ: جمیل اختر، دہلی، اردو اکادمی ۱۹۸۸ء، ص: ۲۱۔۲۲

۴۳۔ رشید احمد صدیقی نے لکھا کہ آج کل میں میرا ایک مضمون شائع ہوا ہے لیکن جولائی ۱۹۶۷ء سے پہلے'' آج کل'' میں رشید احمد صدیقی کی ایک سے زائد تحریریں شائع ہوئیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

انشائیے	ادھر ادھر کی رشید احمد صدیقی	فروری ۱۹۶۴ء
انشائیہ	اردو کا المیہ، رشید احمد صدیقی،	طنز و مزاح نمبر اپریل ۱۹۷۴ء
انشائیہ	زندگی کی پریشانیاں، رشید احمد صدیقی	یکم جون، ۱۹۴۹ء
طنز و مزاح	قسم کھانا، رشید احمد صدیقی	اکتوبر ۱۹۴۸ء
مضامین	ڈاکٹر ذاکر حسین خاں از رشید احمد صدیقی	یکم نومبر ۱۹۴۶ء
مضامین	اولاد، رشید احمد صدیقی	۱۵ فروری ۱۹۴۷ء
خطوط	رشید احمد صدیقی (ایک خط ان کا لکھا ہوا)	فروری ۱۹۵۰ء

اشاریہ آج کل (جلد اول) مرتبہ: جمیل اختر، دہلی، اردو اکادمی ۱۹۸۸ء،

۴۴۔ (۱) نقوش: (خطوط نمبر: جلد اول)، شمارہ نمبر ۱۰۹، اپریل مئی ۱۹۶۸ء
(۲) نقوش: (خطوط نمبر: جلد دوم)، شمارہ نمبر ۱۰۹، اپریل مئی ۱۹۶۸ء
(۲) نقوش: (خطوط نمبر: جلد سوئم)، شمارہ نمبر ۱۰۹، اپریل مئی ۱۹۶۸ء

۴۵۔ ڈاکٹر ذاکر حسین ۸ فروری ۱۸۹۷ء کو اتر پردیش کے ضلع فرخ آباد کے ایک قصبے قائم گنج میں پیدا

ہوئے انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی
اور بعد ازاں وہیں پر درس و تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ ۱۹۲۰ء میں ان کی ملاقات مہاتما گاندی سے ہوئی۔ جس کے بعد وہ رفتہ رفتہ گاندہی تحریک
کا حصہ بن گے۔ برلن یونیورسٹی سے معاشیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ذاکر حسین جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ مئی ۱۹۶۲ء
میں جمور یہ منتخب ہوئے۔ ان کو بھارت کے سب سے بڑے ایوارڈ ''بھارت رتن'' سے نوازا گیا۔ ان کی وفات ۳ مئی ۱۹۶۹ء میں ہوا۔ (بحوالہ: ذاکر حسین
ہندوستانی جموریت کی علامت، پبلیکشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات حکومت ہند، نئ دہلی ۱۹۶۹ء۔

۴۶۔ ذاکر صاحب کی تاریخ وفات ۳/مئی ۱۹۶۹ء

۴۷۔ ''نظام لیکچر'' کا اہتمام غالب کے صد سالہ جشن کے موقع پر دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کی طرف سے کیا گیا۔ رشید احمد صدیقی نے اس موقع پر دو لیکچر (۱) غالب کی شخصیت، (۲) غالب کی شاعری پیش کیے۔ بالترتیب ۱۳۔ فروری ۱۹۶۹ء اور ۱۴۔ فروری ۱۹۶۹ء

۴۸۔ نظام لیکچرز کو دہلی یونیورسٹی، شعبہ اردو کی سلسلہ مطبوعات کے تحت ۱۹۷۰ء میں (بعنوان نظام اردو خطبات، نمبر ۴: ۱۹۶۹ء ''غالب کی شخصیت اور شاعری: پروفیسر رشید احمد صدیقی) شائع کیا گیا۔

مآخذ

۱۔ ذخیرہ نقوش، جی سی یونیورسٹی، لاہور

۲۔ اشاریہ آج کل (جلد اول) مرتبہ: جمیل اختر، دہلی، اردو اکادمی ۱۹۸۸ء،

۳۔ پاکستان کرونیکل، کراچی، فضلی سنز لمیٹڈ، طبع اول، اپریل ۲۰۱۰

۴۔ دیوان غالب (نسخہ عرشی) مرتب: امتیاز علی خان عرشی، لاہور، مجلس ترقی ادب لاہور

۵۔ خنداں، مرتبہ: ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، لاہور، الوقار پبلی کشنز، ۲۰۰۳ء

۶۔ اردو انسائیکلو پیڈیا، جلد اول، مدیر اعلی، پروفیسر فضل الرحمٰن، نئ دہلی۔ قومی کونسل برائے ترقی اردو، ۱۹۹۶ء

۷۔ نقوش (مکاتب نمبر، جلد اول) شمارہ نمبر ۶۵۔۶۶ نومبر ۱۹۵۷ء

۸۔ نقوش (مکاتب نمبر، جلد دوم) شمارہ نمبر ۶۵۔۶۶ ۱۹۵۷ء

۹۔ نقوش، شمارہ نمبر ۱۰۳، ستمبر ۱۹۶۵ء

۱۰۔ نقوش، شمارہ نمبر ۱۰۴، جنوری ۱۹۶۶ء

۱۱۔ دیوانی فانی، مرتبہ: رشید احمد صدیقی،

۱۲۔ مسعود حسین خان، (بحوالہ) رشید احمد صدیقی۔ شخصیت و فن، ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید۔ حیدر آباد، نیشنل بک ڈپو، چار کماں طبع دوم، جون ۱۹۷۶ء

۱۳۔ مکاتیب رشید احمد صدیقی۔ فکری و فنی جائزہ، مقالہ نگار، محمد عرفان ظفر، مقالہ برائے ایم اے اردو، اورئنٹیل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۹۰۔۱۹۹۱ء

۱۴۔ ذاکر حسین ہندوستانی جمہوریت کی علامت، پبلیکیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات و نشریات حکومت ہند، نئی دہلی ۱۹۶۹ء۔